شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا

شاہ سعید احمد رائے پوری

دامت برکاتہم العالیہ

مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

جون **2012**ء/ جمادی الثانیہ/رجب **1433**ھ – جلد نمبر **4**، شمارہ نمبر **6** – قیمت فی شمارہ: مبلغ **15** روپے – سالانہ ممبر شپ: مبلغ **180** روپے – تین سالہ ممبر شپ: مبلغ **400** روپے

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ: ''(افغانستان کے حکمران) امیر حبیب اللہ صاحب نے انگریزوں سے نہیں بگاڑی۔ اور انھوں نے ایک ایسا موقع بھی کھویا، جو پھر نہیں آ سکتا۔ وہ جنگِ عظیم اول (1914ء تا 1918ء) میں جب کہ ہندوستان میں (انگریزوں کی) کل 12 ہزار فوج تھی، چپکے بیٹھے رہنا ہے۔ جب کہ ہندوستان کا تمام انقلابی عنصر (راجہ) مہندر پرتاپ اور مولوی عبیداللہ صاحب (سندھیؒ) کابل ہی میں تھے۔ حبیب اللہ خان نے قتل ہونا گوارا کیا، مگر انگریز کے خلاف خروج نہ کیا۔

پھر جب (امیر) امان اللہ نے خروج کیا تو ہندوستان میں کافی (انگریز) افواج واپس آ چکی تھی، مگر اس کا بھی فائدہ ہوا کہ افغانستان آزاد ہوگیا اور انگریز نے فوراً صلح کر لی۔ اس جنگِ (عظیم دوم) کے بعد بھی اب انگریز نے ہندوستان کو بہلا رکھا ہے۔ ورنہ ہندوستان کی ذرا سی کروٹ اس وقت انگریز کو تباہ کر سکتی ہے۔ مگر اس کی خوش قسمتی کہ یہاں آپس میں اختلاف ہے۔ اگر اس وقت لیگ اور کانگریس میں سمجھوتہ ہو جائے تو انگریز فوراً ہندوستان سے باہر ہو جائے۔''

(مجلس 29/ ذی قعدہ 1365ھ/ 25/ اکتوبر 1946ء، بروز اتوار۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 78-77۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

درسِ قرآن
ایمان اور عمل کی اہمیت

درسِ حدیث
خاندانی نسب معلوم کرنے کے سماجی فوائد

اداریہ
شعوری حوالے سے دینی تربیت کا فقدان؛ ایک المیہ

خطبہ جمعۃ المبارک
دنیا اور آخرت کی جہنم سے بچنے کا راستہ

خطبات
امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی؛ یادیں اور تأثرات

خوش خبری
روحانی تربیتی اجتماع رمضان المبارک

دینی مسائل
دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) رجسٹرڈ

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

ایمان اور عمل کی اہمیت

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (103:2-1)

(انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے، مگر جنھوں نے ایمان اختیار کیا اور صالح اعمال کیے۔)

روحِ عصر (Spirit of the Age) کے ان اثرت کے ظہور کے وقت انسان کی حکمتِ عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عملی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں، ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ارتجاع (رجعت پسندی) میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے لیے نہیں اٹھتے۔ زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے کہ زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنی بھی وہی لیے جانے چاہئیں، جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ (نانوتوی) فرماتے ہیں کہ ''جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی نیت یا ارادہ کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کر لے کہ میں اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا تو یہ جامع نیت ایمان ہے۔''

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے صحیح علم کو قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ کبھی کامیاب ہو سکتی ہے۔ غرض کامیابی کے لیے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے، جسے ایمان کا درجہ دیا جا سکے۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں۔ جنہیں خیر القرون (نمونے کے دور) میں عمل میں لا کر دکھایا جا چکا ہے۔ اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے۔ کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ ''ایمان'' اختیار کیے بغیر کامیابی حاصل کی ہو؟

انسانی اجتماع میں کامیابی کے لیے دوسرا اصول عمل صالح کا ہونا ہے۔ بدن انسانی کی ہر وہ حرکت و سکون جو انسان کے ''ایمان'' کے مطابق ہو اور اس کی تعمیل و تکمیل کے لیے ہو، ''عمل صالح'' ہے۔ پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، وہ عمل صالح ہے۔ اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی۔ جب تک جڑ زندہ ہے، درخت زندہ ہے۔ جب جڑ مر جاتی ہے، درخت خود بخود مُرجھا کر گر جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝ (53:24) کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کر لینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ: لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (53:39) یعنی انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے۔ غرض ایمان عمل کی بنیاد ہے اور عمل ایمان کا نتیجہ۔ ایمان ایسا ہونا چاہیے جو عمل پر اکسائے۔ اور عمل وہ ہو جو ایمان کے مطابق ہو۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

خاندانی نسب معلوم کرنے کے سماجی فوائد

عن ابی هريرة رضی الله عنهٗ، قال: قال رسول الله صلّى الله عليه و سلّم: ''تعلّموا مِن أنسابكم، ما يصِلون به أرحامكم. فإنّ صلةَ الرّحمِ مَحبّة في الأهل، مَثراة للمال، مَنسَأة في الأثر.''

(مشكوٰة شريف. كتاب الأدب. باب البرّ و الصلة. الفصل الثانی)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے سلسلۂ نسب میں سے کچھ ضرور یاد رکھا کرو، تاکہ تم اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکو۔ اس لیے کہ صلہ رحمی، رشتے داروں میں باہم محبت پیدا کرنے، مال میں اضافہ کرنے اور عمر لمبا کرنے کا ذریعہ ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے سلسلۂ نسب سے آگاہ ہونا چاہیے اور اس حوالے سے ضروری تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ تاکہ قریبی رشتے داروں سے واقفیت حاصل کر کے ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے حضرات ایسے تھے، جنھیں عربوں کے حسب و نسب کا مکمل علم حاصل تھا۔ خاص طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسے شخصیات ہیں، جنھیں عربوں کے نسب کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب سے آگہی کا مقصد عزیز رشتے داروں اور اپنی اجتماعی طاقت کو منظم کرنا ہے۔ اسی سے سیاسی طاقت وجود میں آتی ہے، جو سوسائٹی کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

زوال کے زمانے میں حسب و نسب کے مثبت اجتماعی استعمال کی بجائے یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ لوگ اپنے خاندان اور نسب نامے پر اِتراتے پھرتے ہیں۔ کسی کو اس پر فخر ہے کہ میں ''خان صاحب'' ہوں۔ کوئی ''میر صاحب'' ہونے پر فخر کرتا ہے۔ کوئی ''مرزا صاحب'' کہلاتا ہے۔ اور جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ ''آپ کے خاندان کی کیا بات ہے، دنیا بھر میں اس کی عزت ہے۔'' تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہی اور پھولا نہیں سماتا۔ کوئی کہتا ہے کہ ''میر صاحب'' تو معمولی لقب ہو گیا، مجھے تو ''سید'' کہو، ورنہ میری توہین ہوگی۔ ''میر صاحب'' تو لوگ دِل خوش کرنے کے لیے بھی کہہ دیتے ہیں، ''سید'' اصل چیز ہے۔ غرض جس کو دیکھو، اجتماعی فوائد اور سوسائٹی کی مفید خدمات کرنے کی بجائے اپنے ہی خاندان کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں سے اس وقت خوش ہوتا ہے، جب وہ اس کے خاندان کی عزت کریں۔

اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ گھرانا اور خاندان اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی بدولت دوسروں پر بڑائی جتائی جائے۔ اس کا فائدہ تو یہ ہے کہ آپس کا میل جول قائم رکھنے کی مشق کی جائے اور اس سے انسانیت کے ساتھ ربط ضبط پیدا کرنا سیکھا جائے۔ رشتے داروں سے نیک سلوک کیا جائے کہ یہ بہت سی خیر و برکت کا باعث ہے۔ ایک تو اس سے آپس میں جھگڑے نہیں ہونے پاتے، دوسرے انسان کو کسبِ معاش میں ایک دوسرے کی مدد ملتی ہے اور ضرورت کے وقت ضروری چیز آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے آدمی کی عمر بڑھتی ہے۔ کیوں کہ آپس کی لڑائی اور تُو تُو مَیں مَیں سے نجات ملتی ہے اور سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اور ہر لحظہ آرام و آسائش سے گزرتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی مصیبت آ بھی جائے تو آپس کی ہمدردی اور امدادِ باہمی اِسے بہت ہی ہلکا کر دیتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ آدمی جس قدر خواہ مخواہ کی کوفت اور اُلجھن سے دور رہے گا، اسی طرح اس کی خوشی اور صحت بڑھے گی اور زندگی سے بہرہ ور ہوگا۔

اداریہ

شعوری حوالے سے دینی تربیت کا فقدان؛ ایک المیہ

ہر انسانی معاشرہ اپنی تشکیل وتعمیر اور ترقی کے لیے اپنے اساسی افکار ونظریات اور بنیادی سماجی اقدار کی پابندی کرتا ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں میں ان افکار ونظریات اور سماجی اقدار پر سوسائٹی میں بسنے والے تمام افراد کی شعوری تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان اقدار کی شعوری تربیت ہی معاشرے کے ہموار ارتقا کا باعث بنتی ہے۔ دین اسلام کی سچی تعلیمات، مسلمان معاشروں کی تشکیل کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ چناں چہ آغاز اسلام سے ہی مسلمان دین اسلام کے طے کردہ اَخلاق واقدار، افکار اور تعلیمات پر اپنی آنے والی نسلوں کی تعلیم وتربیت کی طرف شعوری طور پر متوجہ رہے ہیں۔ خاص طور پر معاشروں کی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کو پیش نظر رکھ کر دنیا بھر کے علوم سے استفادے کی حکمتِ عملی مسلمانوں کی خصوصیت رہی ہے۔ مسلمانوں پر آنے والے زوال کا ایک سبب یہ بھی رہا ہے کہ ان میں اسلام کے اعلیٰ سماجی اَخلاق واقدار سے دوری پیدا ہوگئی۔ قرآنی اقدار کے سیاسی، سماجی اور معاشی پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کا لازمی نتیجہ مجموعی زوال کی صورت میں نکلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طاقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ سماجی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور معاشی افلاس اور غربت نے ڈیرے ڈال لیے۔ سیاسی کمزوری معاشی زوال کا باعث بن گئی۔ اس طرح سماجی طاقت ختم ہو کر رہ گئی۔ زوال کی حالت اس وقت مزید گھمبیر صورت اختیار کر گئی، جس وقت انسان دشمن اور سرمایہ پرست مغربی استعمار نے مسلمان معاشروں پر یلغار کر کے انھیں اپنا غلام بنالیا۔ غلامی انسانی وقار وعزت کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ وہ اپنی خود مختاری کھو کر بالادست طاقتوں کے اشاروں پر حرکت شروع کر دیتا ہے۔ اپنے افکار ونظریات اور سماجی اقدار سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی دریوزہ گری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

برعظیم پاک وہند میں ولی اللّٰہی سلسلے کے علمائے حق نے زوال کی اس حالت سے نکلنے کے لیے انقلابی اقدامات کیے۔ اس طرح انھوں نے ایسی جماعت قائم کی، جس میں قومی خودداری، آزادی اور حریت کی قدر و قیمت، سیاسی شعور میں پختگی، معاشی غربت وافلاس کو دور کرنے کا شعور، تعلق مع اللہ کے ساتھ خدمت خلق، ایسے بنیادی اَخلاق واَقدار موجود تھے۔ خاص طور پر 1857ء کی قومی جنگِ آزادی کے بعد ان علمائے ربانی نے انقلابی حکمتِ عملی کے تحت دینی اقدار وافکار اور تعلیمات پر شعوری سیاسی اور سماجی تربیت کے لیے دینی مراکز اور مدارسِ دینیہ قائم کیے۔ کالجز اور یونیورسٹیز کے نوجوانوں میں دینی اقدار کے فروغ اور ان میں حریت و آزادی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے کام کیا۔ اس طرح ان کی کاوشوں سے 1947ء میں برصغیر پاک وہند سے غلامی کا خاتمہ ہوا اور یوں ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ انھیں حریت پسند اور اولوالعزم علمائے حق میں سے ایک عظیم انقلابی شخصیت، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی ہے۔ بلاشبہ حضرت شیخ الہندؒ اس دور کی بڑی عظیم الشان شخصیات میں سے ہیں، جنھوں نے نہ صرف اس خطے کے لوگوں کی آزادی کے لیے انقلابی جدوجہد کی ہے، بلکہ بدلتے دور کے تقاضوں کو سمجھ کر نئے رُخ پر کام کرنے کے اصولوں کی نشان دہی کی اور طریقہ کار بھی وضع کیا ہے۔

اس سال بعض مذہبی حلقوں کی جانب سے ''شیخ الہند سیمینارز'' کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ایک سیمینار میں ملک کے دینی مدارس کے ذمہ دار حضرات اور سیاسی رہنماؤں کے ارشادات بڑے ہی تلخ اعترافات کے حامل ہیں۔ ایک معاصر کی رپورٹ کی مطابق مدارسِ دینیہ کے ایک اہم نمائندے ''مفتی اعظم پاکستان'' نے یہ ارشاد فرمایا: ''آج مدارس میں دین پڑھایا جا رہا ہے، سکھایا نہیں جا رہا۔ یوں شخصیت سازی کا عمل تعطل کا شکار ہے۔'' اس سیمینار میں ایک اور ''قائدِ محترم'' نے فرمایا: ''جہاں ہم اپنے ان اسلاف پر فخر کا اظہار کرتے ہیں، وہاں ایسے اکابر کی جانشینی یا ان کے بعد ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے جب اپنی کارکردگی پر نظر ڈالتے ہیں تو پھر شرمندگی اور ندامت کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہوتا۔''

سوچنے کی بات یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ دینی تعلیم وتربیت کے مراکز کہلاتے ہیں اور دینی سیاست کے نام پر اسلامی نظام کے قیام کے دعوے کیے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میدانوں کے ''قائدین'' یہ اعتراف کریں کہ دین حق کے غلبے کے لیے ''شخصیت سازی کا عمل، تعطل کا شکار'' ہے اور انھیں ''شرمندگی اور ندامت کا سامنا'' ہے تو ان حضرات کو خود سوچنا چاہیے کہ دینی تربیت کا جو شعوری راستہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان جیسے حریت پسند رہنماؤں نے اختیار کیا تھا، ہم نے اسے چھوڑ کر کہیں کسی اور راستے پر سفر کرنا تو نہیں شروع کر دیا؟ آخر دینی تربیت کا فقدان کیوں ہوا؟ تمام تر عملی سیاسی جدوجہد کے باوجود ندامت اور شرمندگی کیوں ہے؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حریت پسند علمائے حق نے تو آزادی وحریت کے حصول اور دین کی حفاظت کا اپنا ہدف پورا کیا۔ لیکن آج ان کے نام لیوا گزشتہ 65 سالوں کا جائزہ لیتے ہیں تو دینی اقدار پر شخصیت سازی کے عمل کو زوال پذیر دیکھتے ہیں۔ سیاسی عمل میں علمائے حق کے طرز فکر وعمل سے انحراف کا راستہ اختیار کرنے پر شرمندگی اور ندامت کا سامنا کر رہے ہیں۔

شیخ الہندؒ نے تو مستقبل میں کام کرنے کے بنیادی نکات واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''فرقہ واریت اور قرآن سے دوری، اُمت کے زوال کا سبب ہے۔'' آج شیخ الہندؒ کا نام لینے والے ''مراکزِ اسلامیہ'' فرقہ واریت کو ہوا دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور علوم قرآنیہ کے جامع انقلابی پروگرام سے انحراف کیے ہوئے ہیں۔ وہ دیگر فرقوں کے ساتھ ہم آہنگی تو کیا پیدا کرتے، خود شیخ الہند کے تربیت یافتہ شاگردوں مولانا سندھیؒ اور مولانا مدنیؒ پر الزام تراشی کرنے میں پیش پیش ہیں!؟ شیخ الہندؒ نے فرمایا تھا کہ: ''میرے اس درد کے غم خوار، جس میں میری ہڈیاں پگھل رہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے ایک قدم ان کی طرف بڑھایا۔'' سوچنا یہ ہے کہ کیا شیخ الہندؒ کے نام لیواؤں نے کالج کے نوجوانوں کو دینی شعور سے آگاہ کرنے کی کوئی حکمت عملی تشکیل دی؟ یا اپنے طرز فکر وعمل سے انھیں دور کرنے اور گمراہ جماعتوں کے حوالے کرنے کا کام کیا؟

شیخ الہندؒ نے عدم تشدد کی بنیاد پر قومی جمہوری جدوجہد کے ذریعے اجتماعی سیاسی طاقت پیدا کرنے کی بات کی۔ جب کہ ہمارے نیم سیاسی مذہبی لیڈروں نے تشدد کی بنیاد پر غیر قومی اور غیر جمہوری طریقہ اپنا کر لاکھوں افغانی، کشمیری اور پاکستانی قتل کروا دیے۔ جس کا نتیجہ اس خطے پر امریکی سامراج کے تسلط کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آخر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا نام استعمال کرنے والوں نے کبھی ان کے فرمودات پر غور کیا اور سوچا کہ ان کے حریت پسندانہ فکر وعمل کی اساس پر افراد سازی اور تعمیر شخصیت کے لیے کردار ادا کیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ دینی شعور کی اساس پر سیاسی، معاشی اور عمرانی تشکیل کے لیے جدوجہد کرنا، دور کا تقاضا بھی ہے اور دینی ذمہ داری بھی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کے ساتھیوں کے دینی شعور سے رہنمائی لیتے ہوئے نوجوان نسل کی ایسی تربیت کریں، جو وقت کے سیاسی، سماجی اور معاشی چیلنجز کو سمجھ سکے اور اس کا حل پیش کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔

مدیر اعلیٰ

خطبہ جمعۃ المبارک

دنیا اور آخرت کی جہنم سے بچنے کا راستہ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 31 دسمبر 2010ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد طفیل اقبال

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (6:66) صدق اللہ العظیم.

معزز دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کتاب مقدس قرآن حکیم کو نبی اکرمؐ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔ قرآن حکیم دراصل انسانی معاشرے کی تشکیل، ان کے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ایک واضح اور دوٹوک کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ "کتاب" عربی میں اس دستورالعمل کو کہتے ہیں، ایسے آئینی قانونی ضابطے کو کہتے ہیں کہ جس کی اساس پر معاشرے تشکیل پذیر ہوتے ہیں۔ "الکتاب" خاص طور پر وہ قانونی مقدس دستاویز ہوتی ہے، جو بنیادی آئینی فریم ورک اور معاشرے کے تمام پہلوؤں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے قوانین اور ضابطوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ اسی لیے مسلمان جماعت پر یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ سب سے پہلے کتاب مقدس قرآن حکیم کے اساسی اصولوں کو اپنے پیش نظر رکھے۔ مسلمان دراصل وہی فرد ہے، جو کتاب مقدس قرآن حکیم کو انسانیت کا دستورالعمل سمجھتا ہے، اسے تسلیم کرتا ہے اور اس کے مطابق اپنی سوسائٹی کا نظام بنانے کا عزم، ارادہ اور پختہ یقین پیدا کرتا ہے۔ ایمان کی حقیقت یہی ہے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایمان کی حقیقت بیان کی ہے کہ جو کچھ نبی اکرمؐ اللہ کی جانب سے لائے ہیں، ان کا عملی نظام قائم کرنے کا عزم، ارادہ اور پختہ نیت کرنے کا نام ایمان ہے۔ رسمی طور پر محض کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ ایک عام فرد، جس کی ذہنی استعداد، دماغی اور عقلی صلاحیت اس درجے کی نہیں ہے کہ وہ اس کا پورا فہم رکھ سکے، اس کے لیے تو شاید گنجائش ہو کہ وہ رسمی طور پر جتنی اس کی سمجھ ہے، اس کے مطابق اپنا ارادہ یا نیت کرلے، لیکن معاشرے کی تشکیل میں عملی کردار ادا کرنے والے سوسائٹی کے عقلا، سمجھ دار لوگوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان کے بنیادی تقاضوں کا پورا شعور رکھیں۔ اور جو افکار و نظریات، قوانین اور ضوابط اس کتاب مقدس قرآن حکیم میں بیان کیے گئے ہیں، انھیں اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنے کی جدوجہد کریں۔ اور نہ صرف خود اس پر عمل کریں، بلکہ کل انسانیت کی فلاح و بہبود پر مشتمل قرآنی قوانین اور ضابطوں کی پوری انسانیت کو دعوت دیں۔ اس کے عملی فوائد پوری انسانیت تک پہنچانے کا عزم اور ارادہ رکھیں۔

اصل میں ایمان یہ ہے کہ انسان پختہ عزم اور ارادہ کرے کہ وہ قرآنی دستورالعمل سے ہٹ کر اپنے معاشرے کی تشکیل نہیں کرے گا۔ دنیا میں معاشروں کی تشکیل کسی نہ کسی نظریے اور فکر پر ہوتی ہے۔ نظریے اور فکر کے بغیر عملی نظام وجود میں نہیں آتے۔ سسٹم نہیں بنائے جاتے، نظام بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی سوچ اور فکر لازمی ہے۔ اب وہ سوچ اور فکر کیا ہونی چاہیے؟ نظریہ کیا ہونا چاہیے؟ اس کے لیے قرآن نے کہا: وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ (148:2) ہر ایک آدمی کا ایک نظریہ ہوتا ہے۔ ایک وجہت نظر اور سوچ ہوتی ہے۔ اب دنیا میں بہت سے مذاہب، افکار و خیالات، تصورات اور فلسفے موجود ہیں، ہر ایک نے اپنے اپنے تصورات قائم کیے ہوئے ہیں، لیکن ان افکار و نظریات میں سے کس نظریے یا فکر کو قبول کرنا چاہیے۔ قرآن نے کہا: "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ" یعنی ایسے نظریے کو پیش نظر رکھو، جو انسانیت کے لیے زیادہ بھلائی پیدا کرنے والا ہو۔ خیر اور بھلائی کا نظام قائم کرنے کی جس میں زیادہ صلاحیت ہو، جو کل انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کی سوچ رکھتا ہو، عقل و شعور سکھاتا ہو۔ طریقہ کار دیتا ہو، اس نظریے کو اپناؤ۔ "فَاسْتَبِقُوا" آگے بڑھو۔ دنیا میں افکار و خیالات اور نظریات کے میدان میں جو دوڑ لگی ہوئی ہے، اس میں تمھیں آگے بڑھ کر، سبقت لے کر، جس چیز کو تھامنا ہے، وہ "الْخَیْرٰتِ ؕ" ہے۔ یہ پنجابی یا اردو کی خیرات، بھیک مانگنے والی نہیں ہے۔ عربی میں "الْخَیْرٰتِ ؕ" "خیر" کی جمع ہے۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے اور یہ اللہ کے ساتھ تعلق کی بنیاد پر انسانیت کی بھلائی اور فلاح و بہبود کا نام ہے۔ گویا ایسا نظریہ رکھو، جو خدا کے تعلق سے سماجی فلاح و بہبود کا ہو۔ اس کے لیے ایک فرد دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔

ایمان دراصل ان بنیادی چیزوں کو عمل میں لانے کا عزم اور ارادہ ہے اور اسی کی پختگی کی محنت ہے۔ یعنی جس چیز پر ایمان ہے، اس کا عملی نظام قائم کرنے کا عزم اور ارادہ بھی کرنا ہے اگر ایمان تو ہو ایک چیز پر اور عمل اس کے متصادم ہو، یہ منافقت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ اعراب اور گنوار کہتے ہیں کہ: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ (14:49) ہم ایمان لائے، ان سے کہو کہ: نہیں! تم ایمان نہیں لائے۔ وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (14:49) بلکہ یہ کہو کہ: ہم اسلام لائے۔ انھوں نے مسلمانوں کے غلبے کو دیکھتے ہوئے مجبوراً اپنے آپ کو ان کے سامنے سرنڈر کردیا، یہ ظاہری اسلام ہے۔ یعنی ایمان کو عمل میں لانے کا ارادہ نہیں کیا تو یہ محض ظاہری اسلام ہے۔ اس کا حقیقی ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایمان تو یہ ہے کہ آدمی جس چیز پر ایمان رکھے، اس کو عمل میں لانے کی جدوجہد اور کوشش بھی کرے۔ اس کا نظام قائم کرے اور ہر وہ طاقت، جو اس نظریے، نظام سے متصادم ہو، ہمت کر کے اس کا مقابلہ کرے، اس کو راستے سے ہٹائے۔

قرآن نے کہا: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا" اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال، بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ گردوپیش کے ماحول میں جو لوگ ہیں، ان کو بھی اس غلط راستے سے بچانے کی جدوجہد اور کوشش کرو۔ ایسا غلط راستہ، جو دنیا اور آخرت کی جہنم پیدا کرے۔ جس عمل کے نتیجے میں دنیا کی جہنم پیدا ہوتی ہے، اسی سے آخرت کی جہنم پیدا ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنے سے دنیا بھی جہنم بنتی ہے اور آخرت بھی۔ ظلم کرنے سے دنیا میں بھی خرابی کی آگ بھڑکتی ہے اور آخرت کی جہنم بھی ہے۔ بداخلاقی سے دنیا کا ماحول اور سسٹم بھی خراب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے۔ چناں چہ مسلمان جماعت کو حکم ہے کہ اپنے آپ اور اپنے گردوپیش کے ماحول کو دنیا اور آخرت کی جہنم اور عذاب سے بچاؤ۔

یہ آیت جس سیاق وسباق میں نازل ہوئی، وہ بڑا اہم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی دو خاص ازواجِ مطہرات کو ایک بات بتا کر راز رکھنے کا حکم دے دیا، لیکن وہ راز اِفشا ہوگیا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ ایک عمومی قاعدے کے طور پر نازل ہوئی۔ ان ازواجِ مطہرات کو جس راز کی ذمہ داری دی گئی تھی، اُسے ظاہر کردیا تو اللہ کی طرف سے سخت وارننگ آئی۔ قرآن نے کہا: دیکھو! تم نے ڈسپلن کی خلاف ورزی کی، جو راز تمھارے سپرد کیا گیا تھا، اس کو تم نے آگے بیان کردیا۔ اگر تم اس پر قائم رہیں تو تمھیں طلاق دے کر فارغ کردیا جائے گا، اور نئی بیویاں حضورؐ کے لیے مہیا کردی جائیں گی۔ اور اس کے بعد فوری طور پر کہا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا اپنے آپ کو بھی، اپنے اہل وعیال اور ماحول کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ یہ ڈسپلن توڑنا، نظم وضبط کی خلاف ورزی کرنا، دنیا کی آگ بھی ہے اور آخرت کی آگ بھی ہے۔

قرآن کے نظام کو عملاً قائم کرنے کے لیے ایک جماعت اقدامات کر رہی ہے۔ انقلاب برپا کرنے کے لیے منظّم جماعت لازمی اور ضروری ہوتی ہے۔ اگر جماعت کے ہی کچھ لوگ اس کے نظم وضبط کو توڑنے کے درپے ہو جائیں تو یہ بہت بڑی خرابی ہے۔ اس سے جماعت کی ترقی رُک جاتی ہے۔ آگے بڑھنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ظلم و جبر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے مزید گہرے ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ دیکھئے! یہاں کلمہ بھی پڑھ رہے ہیں، عبادتیں بھی کر رہے ہیں، لیکن جماعت کی مجموعی جدو جہد کی خلاف ورزی کی وجہ سے اللہ نے سخت وارننگ دی۔ بات یہ ہے کہ جماعت کی ترقی کو روکنا، اس کے راز کی خلاف ورزی کرنا، اس کے نظم وضبط اور ڈسپلن کو توڑنا درست نہیں ہے۔ ایمان والی جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس نظریے پر ایمان رکھتی ہے، اس کو عمل میں لانے کے لیے کردار ادا کرے۔ اور دنیا میں نظریات وافکار کو عمل میں لانے کے لیے ایک نظم وضبط والی جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حق والوں کی اولوالعزم جماعت دراصل انسانی فطرت اور انسانی تقاضوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ حضرت مجدد الفؒ ثانی فرماتے ہیں: ''ملاءِ اعلیٰ کی نمائندگی کرنے والی جماعت زوال کے زمانے میں چند افراد پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو، ایسی جماعت حق ہوتی ہے۔'' اس لیے کہ اصل میں ملاءِ اعلیٰ کی اولوالعزم جماعت معتبر ہے، جس کے فیصلے حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرمؐ تک انبیا، صحابہ، اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین مانتے چلے آ رہے ہیں۔ اور جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اس اجتماعِ اعلیٰ کی بات ماننا اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت مجدد الفؒ ثانی فرماتے ہیں: ''کسی دور میں ملاءِ اعلیٰ کی نمائندگی کرنے والا ایک فردِ کامل ہی ہو تو وہی سوادِ اعظم ہے، وہی حق پر ہے۔'' اگر انسانوں میں ایسی جماعت بنانے کی صلاحیت ختم ہو جائے، نظم وضبط اور ڈسپلن میں رہنے کی عادت نہ پیدا ہو، وہ اس حق بات کا فہم رکھنے اور اس کے مطابق کام کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو جائے تو اس سے بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کی اولوالعزم جماعت، اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کرتی ہے اور خدا پرستی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے دعا کرتی ہے، وہی معیار ہے۔ اب جو اس جماعت کی نمائندگی کرے گی، چاہے وہ ایک فرد ہو، دو ہوں، چار ہوں، وہ اصل میں جماعتِ حقہ ہے۔ اس کی اتباع کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں ہر کام کے لیے معیارات مقرر ہوتے ہیں، جب تک اس معیاری جماعت کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا، کامیابی نہیں ہوگی۔ انسانی جسم کے علاج کرنے کے لیے کیا ہر آدمی کو اجازت دے دی جائے گی کہ وہ انسانی جسم کی چیر پھاڑ کرے، نہیں! جسم کے علاج کے لیے جو ڈاکٹروں کی معیاری جماعت ہوگی، چاہے وہ چند ایک ہی ہوں، میڈیکل سائنسز میں وہی معیار ہیں۔ کیوں کہ انھیں اپنے علم وفن، انسانی جسم کی ساخت، اس کے امراض کے علاج کرنے کا پتا ہے، ان چند پروفیسروں کے مقابلے میں ہزار غیر ڈاکٹر اکٹھے ہو جائیں، انسانی جسم ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ ان ڈاکٹروں کی رائے کا اعتبار ہوگا کہ اس جسم میں کون سا مرض ہے اور اس مرض کے علاج کے لیے کون سی دوائی دی جائے۔ اس کے مقابلے میں بڑے سے بڑا مفتی اور انجینئر آ جائے، فزکس کیمسٹری کا ماہر آ جائے، اس کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں۔ چاہے وہ ہزاروں لاکھوں ہی کیوں نہ ہوں۔ کیوں کہ جس کو اس علم پر پوری گرفت حاصل ہے، وہ دو ہوں، چار ہوں، وہ اپنے شعبے کی حق جماعت ہے اور صحیح ہے۔ وہ جو رائے قائم کریں گے، ان کا فیصلہ مانا جائے گا۔

انسانیت کی مجموعی ترقی اور فلاح و بہبود کا معیاری نظام ملاءِ اعلیٰ کی اولوالعزم جماعت سے وابستہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے، جسے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور جس کے ذریعے سے کائنات کا سسٹم چل رہا ہے، وہی معیار ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہا گیا کہ: ''لولاک، لَمَا خلقتُ الأفلاکَ'' آپؐ نہ ہوتے تو میں یہ کائنات ہی نہ پیدا کرتا۔ کائنات اگر باقی ہے تو محمد مصطفیٰؐ کی وجہ سے۔ انسانیت اگر باقی ہے تو انبیا علیہم السلام اور ان کی تربیت یافتہ جماعتوں کی وجہ سے ہے۔ تو جن کی وجہ سے بقا ہے، انھیں کا بنایا ہوا نظام، انھیں کے دیے ہوئے احکامات، انھیں کا دیا ہوا سسٹم ہی معیار ہے۔ انھوں نے اس کے لیے جو معیار مقرر کر دیا ہے، وہ صحیح ہے۔ اس جماعت کے معیاری سسٹم کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسانیت کے مسائل کے حل ہوتے ہیں۔ اگر اسے اختیار کیا جائے گا تو کامیابی ہوگی۔ لیکن اگر اس کا کوئی فہم نہ ہو، عقل نہ ہو، کوئی سمجھ نہ ہو، انفرادی سوچ اور انفرادی رائے ہو، تو یاد رہے کہ جماعتی نظم وضبط اور ڈسپلن کو توڑ کر انفرادی رائے کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ اب ایسی انسان دوست معیاری جماعت کا راستہ روکنا، انسانیت کی ترقی کو روکنا ہے۔ یہ اللہ کے انتقام کو دعوت دینا ہے۔ اللہ جیسے رحیم اور شفیق، الرحمٰن الرحیم ہے، اسی طرح وہ ''عزیز ذو انتقام'' بھی ہے۔ یعنی وہ طاقت ور اور انتقام لینے والا بھی ہے۔ جب اس کے بتلائے ہوئے فکر، نظریے اور جماعتِ حقہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے تو اس کی غیرت اور انتقام جوش میں آتا ہے۔ بنیادی چیز مسلمان جماعت کے لیے اپنے نظریے کا سسٹم قائم کرنے کا عزم اور ارادہ کرنا ہے۔ اس کے لیے اس جماعت کو معیار بنانا ہے، جو انبیاؑ، صحابہؓ، تابعینؒ، اولیاء اللہ اور علمائے ربانیینؒ کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوگا کہ جب ایسی جماعتِ حقہ نہ رہے۔ ہر دور میں ایسی جماعت رہے گی۔ ''لایزالُ طائفةٌ مِّن اُمّتی قائمین علی الحقّ.'' ہمیشہ اللہ کی ایک جماعت رہے گی، جو حق کے قیام کے لیے جدو جہد اور کوشش کرے گی۔ ایک اور بات بھی حضور نے فرما دی: ''لایضرُّهم مَن خالَفهُم'' جو ان کی مخالفت کریں گے، وہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے اس جماعتِ حقہ کی پہچان پیدا کی جائے اور اس کی اتباع کی جائے۔ اس کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کر دیں۔

آج ہمارے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ سچی جماعت کا تعارف، سمجھنے کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ پروپیگنڈے ہیں، نظریاتی انتشار، فکری گروہیتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ زوال سے نکلنے کا ایک راستہ ہے کہ ایسی پروپیگنڈے کی حالت سے نکل کر یکسوئی کے ساتھ ایک صحیح اور سچے نظریے کی حامل جماعت سے وابستگی اختیار کی جائے۔

آج ہمارے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ سچی جماعت کا تعارف، اس کے ساتھ وابستگی، اس کا فہم، اس کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور عقل نہیں رہی۔ اسے سمجھنے کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ پروپیگنڈے ہیں، نظریاتی انتشار، فکری گروہیتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ زوال سے نکلنے کا ایک راستہ ہے کہ ایسی پروپیگنڈے کی حالت سے نکل کر یکسوئی کے ساتھ ایک صحیح اور سچے نظریے کی حامل جماعت سے وابستگی اختیار کی جائے۔ اور پورے عزم اور ارادے کے ساتھ ان کے طے کردہ راستے پر جدو جہد اور کوشش کی جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی

یادیں اور تأثرات

مسجد الحرام مکۃ المکرمہ کے استاذ، حضرت مولانا محمد مکی مدظلہٗ کا بیان

مؤرخہ: 20/ اکتوبر 2010ء، بمقام: حرم مکہ

(1431ھ/ 2010ء حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت اور حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس موقع پر امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگرد حضرت مولانا خیر محمد مہاجر مکیؒ کے صاحبزادے اور مسجد الحرام کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد مکی سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر راقم سطور نے ان سے ان کے والد گرامیؒ کے حوالے سے حضرت سندھیؒ کے حالات کے بارے میں سوال کیا۔ تو اس پر انھوں نے حضرت سندھیؒ کے حالات سے متعلق اہم ترین واقعات بیان فرمائے۔ مولانا مکی کے اس اہم بیان کا پہلا حصہ اس شمارے میں قارئین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ دوسرا حصہ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا۔ مدیر اعلیٰ)

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد! میں نے حضرت سندھیؒ کی زیارت نہیں کی، لیکن اپنے والد محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاولپوری ثم مہاجر مکیؒ سے جو سنا، اس میں سے کچھ کچھ جو مجھے یاد ہے، وہ میں عرض کروں گا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: حضرت سندھی رحمہ اللہ دورانِ قیام مکہ مکرمہ "جبل ابی قبیس" پر قیام فرما ہوتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹے سے کرائے کے گھر میں رہتے تھے۔ اور حرم شریف میں کچھ نمازوں کے لیے نیچے تشریف لاتے تھے اور مسجدِ حرام کے مختلف مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ تاکہ اُن سے کوئی مل نہ سکے۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بھی اور میرے ایک دو دوستوں نے بھی یہ ارادہ کیا کہ حضرت سندھیؒ سے تفسیر قرآن مبارک کے سلسلے میں استفادہ کیا جائے۔ حال آں کہ اس وقت حضرت والد صاحب رحمہ اللہ خود بھی مدرّس تھے۔ یعنی آپ بھی حرم مکہ میں پڑھاتے تھے، لیکن اہل علم کا ذوق تو ختم نہیں ہوتا۔ "الإنسان لایشبعان: حریص العلم و حریص الدنیا." (دو انسانوں کا پیٹ نہیں بھرتا: ایک علم کی چاہت رکھنے والا اور دوسرا مال و دولت اور دنیا کا لالچی۔)

والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے "سورۃ التحریم" سے لے کر "سورۃ الناس" تک حضرت سندھیؒ سے تفسیر پڑھی۔ اور اسی طرح "حجۃ اللّٰہ البالغہ" پڑھی، جو کہ فلسفہ شاہ ولی اللہ کی اہم کتاب ہے۔ کیوں کہ حضرت سندھیؒ اُس کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ تو یہ کتاب بھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے درساً اُن سے پڑھی۔ لیکن والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اُن کی طبیعت کا یہ عالم تھا کہ جب ہم لوگ پڑھنے کے لیے اُن کے پاس گئے تو وہ پہلے کم از کم آدھا پونا گھنٹہ تو صرف بُرا بھلا ہی کہتے رہے۔ (تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ یہ مخلص پڑھنے والے ہیں یا انگریز کے جاسوس ہیں۔) اس کے بعد حضرت سندھیؒ فرماتے کہ: "اچھا بھئی خیر محمد! اب سبق لے آؤ، پڑھو۔" پھر حضرت سندھیؒ نے ہمیں پڑھانا شروع کر دیا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم مدرّس بھی تھے، اُس وقت جوانی بھی تھی، صحت بھی اچھی تھی اور مکتبہ حرم (حرم کی لائبریری) کے اندر ہمیں کافی کتابوں کا مطالعہ بھی میسر تھا۔ ہم تیار ہو کے جاتے تھے کہ آج اس سبق پر حضرت سندھیؒ کے سامنے یہ اشکال پیش کریں گے، یہ اشکال پیش کریں گے اور یہ اشکال پیش کریں گے۔ لیکن جب حضرت سندھیؒ تفسیر فرماتے تھے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ان کو اللہ کی طرف سے کوئی الہام ہی ہو رہا ہے۔ اور آپؒ ہمارے تمام اعتراضات کا شافی جواب دے دیتے تھے۔ ایک دن والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: میں نے ان سے بڑی مشکل سے عرض کیا، کیوں کہ ان کے ساتھ بات کرنے کے لیے بہت بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں نے کہا کہ "حضرت! آپ جو کہ علم کا ایک بحرِ ذخار ہیں، پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کا درس، حرم شریف میں ہو تو ہزاروں لوگ استفادہ کریں۔ آپ اپنے علم کو چھپا کے یہاں پہاڑ پر بیٹھے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ یہاں عبیداللہؒ سندھی جیسا آدمی ان کمروں میں رہتا ہوگا۔ یہ تو الحمدللہ! ہمیں پتا چل گیا تو ہم آپ کے پاس آگئے اور آپ کے علم سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

فرمانے لگے کہ: "بھائی خیر محمد! اب جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں نہ استاذ رہے، نہ شاگرد رہے۔" فرمایا کہ: "بھائی! ہم نے تو دیکھا ہے کہ استاذ ہو تو شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسنؒ) جیسا ہو۔ اور پھر شاگرد ہوں تو وہ ہمارے جیسے ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حکم دیا کہ "افغانستان چلے جاؤ!"، ہمیں یہ پوچھنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی کہ "حضرت! ہم کیوں چلے جائیں، کیسے چلے جائیں، ہمارے وارنٹ گرفتاری ہیں۔ انگریز ہمارے پیچھے ہے۔ ہمیں ڈھونڈ رہا ہے۔ ہم چھپے ہوئے ہیں اور آپ ہمیں حکم فرما رہے ہیں کہ تم افغانستان چلے جاؤ۔ اب افغانستان جانے کے لیے کچھ وسائل بھی تو ہوں۔ وہ کرایہ، وہ پیسے، وہ اسباب، لیکن ہمیں یہ جرأت ہی نہیں ہوئی۔ بس استاذ کا حکم ہے، بس حکم ہے۔ تو ہمیں اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بسا اوقات پیدل کا سفر بھی اختیار کرنا پڑا۔

حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: "اس طرح ہم دیوبند اور دہلی سے نکلے اور ہوتے ہوتے دین پور شریف آئے۔ اُس وقت حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری رحمہ اللہ کا زمانہ حیات تھا۔ اور وہ اس تحریکِ آزادی کے بہت بڑے سرخیل تھے۔ بہت بڑے رہنما تھے۔ اور ویسے بھی روحانی طور پر ان کا ایک بہت بڑا اونچا مقام تھا۔ حضرت سندھیؒ جیسے لوگ بھی ان کے غلام تھے۔ تو حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: "میں وہاں (دین پور) آگیا۔ مسجد کے سامنے بالکل اوپر دوسری منزل پر ایک چھوٹا سا قبر نما ایک کمرہ بنا ہوا تھا، میں اُسی میں رہتا تھا۔" حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: "اب مجھے شیخ سے پوچھنے کی بھی جرأت نہ ہو۔ ایک رات سویا ہوا تھا تو حضرت دین پوریؒ نے آکر جگایا۔ اور کہا کہ: "عبیداللہ! جلدی سے دین پور شریف سے نکل جاؤ۔" تو میں نے کہا کہ ایک دو منٹ تو دیں، لیکن حضرت نے کہا کہ "بس میں تمھیں حکم دے رہا ہوں، جلدی سے نکل جاؤ۔ اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا کہ "اس طرف سے جاؤ، وہاں تمھیں ایک آدمی ملے گا۔" میں وہاں سے نکل آیا تو اس طرف ایک آدمی گھوڑی لے کر کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے گھوڑی پر بٹھایا۔ فرمایا کہ اتنی ہی دیر میں کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ دین پور کو انگریز فوج نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اُن کو شاید یہ بات پہنچ گئی تھی کہ میں دین پور میں ہوں، لیکن اللہ نے حضرت شیخ دین پوریؒ نے بروقت انتباہ سے ہمیں وہاں سے نکال دیا۔ حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں: "اس سفر کے دوران کہیں ہم نے ہندوؤں کے لباس پہنے، کہیں ہم پنڈت بن گئے، کبھی ہم اُن کی کتاب "رامائن" یاد کر کے لوگوں کو سناتے تھے، اس طرح ہم نے ہندوستان اور افغانستان کا بارڈر کراس کیا۔" وہ فرماتے تھے کہ: "وہ بارڈر جب ہم نے کراس کیا، میرا ایک اور ساتھی بھی تھا، تو جب ہم بارڈر کی چیک پوسٹ سے کافی دور نکل آئے تو پیچھے سے ایک آدمی کے دوڑتے ہوئے آنے کی آواز آئی۔ تو میں نے ساتھی سے کہا کہ: معلوم ہوتا

ہے کہ انھیں شک پڑ گیا ہے۔ اور یہ پیچھے دوڑنے والا جو ہے، صاف بتا رہا ہے کہ کوئی فوجی ہے۔ تو بہر حال تھوڑی دیر بعد وہ ہمارے قریب آ گیا۔ دوڑتے ہوئے اُس نے کہا کہ ٹھہر جاؤ! ٹھہر جاؤ۔ اُس نے کہا کہ: ''دیکھو عبید اللہ! یہ نہیں کہنا کہ تم ہماری آنکھوں کو دھوکا دے کر جا رہے ہو۔ میں نے تمھیں پہچان لیا تھا کہ تم عبید اللہ ہو، لیکن چوں کہ تم ایک باکردار اور باضمیر لیڈر ہو تو میں تمھیں سلام کرتا ہوں۔ اس لیے میں نے تمھیں جانے دیا۔ میں نے تمھیں گرفتار نہیں کیا۔ اب تمہارا مقدر ہے، جہاں بھی پہنچو۔'' الغرض اتنی مشکلات سے سفر کیا۔

حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: ''مولوی خیر محمد! ایسے استاذ اور ایسے شاگرد کہاں، کہ میں حرم میں بیٹھ کر پڑھاؤں۔ اب تو ہم جن لوگوں کو پڑھاتے ہیں، وہی ہمارے مخبر ہوتے ہیں، وہی سی آئی ڈی کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو پڑھانے کا کیا فائدہ، جو کل کو ہمارے مخبر ہوں۔ اس لیے ہم نے یہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ہی چھوڑ دیا۔ یہ تو میں آپ لوگوں کا ذوق اور شوق دیکھ کر پڑھا دیتا ہوں کہ بھئی تم روزانہ پہاڑ پر چڑھ کر آتے ہو اور پھر یہاں بیٹھے رہتے ہو۔

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دفعہ سبق پڑھنے کے لیے گیا تو حضرت سندھی رحمہ اللہ اس کمرے سے باہر تشریف نہ لائے، جہاں بیٹھ کر پڑھاتے تھے۔ میں واپس آ گیا۔ دوسرے دن گیا تو آپ نہیں آئے اور تیسرے دن گیا تو آپ نہیں آئے۔ آخر میں نے خادم سے پوچھا کہ بھئی بات کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ: بتانا کسی کو نہیں، حضرت کا چوں کہ کافی دنوں سے فاقہ تھا، تو چلنے کی ہمت ہی نہیں رہی۔ اب بیٹھے بیٹھے وہیں بس نماز پڑھتے ہیں، بیٹھے بیٹھے ہی سو جاتے ہیں، کوئی ایسی چیز ہے نہیں گھر میں کہ انھیں پکا کر دی جائے۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میں نے آ کر بڑی محنت کی۔ بڑی کوشش کی، بڑی مشکل سے دس ریال مجھے مہیا ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ: اس دور میں دس ریال اکٹھا کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ تو میں نے بہر حال وہ پیسے لیے اور حضرت کے خادم کو جا کر دیے کہ بھئی دس ریال ہیں، فوری طور پر حضرت کے لیے کچھ انتظام کرو۔ اس زمانے میں بہر حال دس ریال اتنی بڑی طاقت رکھتے تھے، کہ ایک مہینے کا راشن آ جاتا تھا تو میں دے کر چلا آیا۔

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: دوسرے دن مَیں چاشت کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے حرم شریف میں داخل ہونے کے لیے آ رہا تھا اور حضرت سندھیؒ حرم سے نکل رہے تھے۔ مجھے دیکھا، بلایا کہ ''خیر محمد! اِدھر آؤ۔'' میں گیا اور سلام کیا تو حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھے دس ریال دو؟'' میں نے کہا کہ: حضرت! ہم شاگرد ہیں، آپ کے غلام ہیں اور پھر یہ ہے کہ دس ریال کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ: ''اگر پیسے ہی لینے ہوتے تو ہم انگریزوں سے سودا کرتے۔ تمہارے ان دس ریال کے لیے تو نہ پڑے رہتے۔ اگر میرا خدا مجھے بھوکا رکھنا چاہتا ہے تو تم کون ہو مجھے پیسے دینے والے۔ آئندہ کبھی یہ جرأت نہ کرنا۔ ورنہ میرے پاس پڑھنے کے لیے نہیں آنا۔ یہ میرا اور میرے ربّ کا معاملہ ہے۔ وہ ہمیں بھوکا مارنا چاہتا ہے، ہم راضی ہیں۔ وہ ہمیں فاقے دینا چاہتا ہے، ہم راضی ہیں۔ وہ فاسق وفاجر لوگوں کو کھانا کھلا رہا ہے، ہمیں بھوکا مار رہا ہے، ہم اس کے فیصلوں پر راضی ہیں۔ اس کی حکمتیں ہیں۔''

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: دوبارہ میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی۔

اسی طرح حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ: جب ہجرت ختم کرنے کے بعد حضرت سندھیؒ ہندوستان واپس تشریف لے گئے تو آپ کا آخری قیام جو تھا وہ دین پور شریف میں تھا۔ کہ آپ کی تربیت بھی وہیں سے تھی۔ تعلق بھی وہیں سے تھا، پھر رشتہ بھی تھا۔ والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت سندھیؒ خانپور اسٹیشن پر پہنچے تو وہاں علما اور لوگوں کا بہت بڑا ہجوم استقبال کرنے آیا ہوا تھا۔ حضرت سندھیؒ اُس زمانے میں سر پر پگڑی نہیں باندھتے تھے، بلکہ رومال بھی کندھے پر رکھتے تھے تو کئی لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ تو حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''پگڑی تو تب باندھی جائے کہ جب کوئی کامیابی حاصل ہو۔ ہم انگریز کے خلاف کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اب پگڑی پہننے کی کیا ضرورت۔ ہم مرد ہوتے تو کامیابی حاصل کرتے۔ پگڑی تو مردوں کی نشانی ہوتی ہے۔ ہم مرد ثابت نہ ہوئے۔''

حضرت سندھیؒ جب خانپور اسٹیشن پر پہنچے تو علما نے مجبور کیا کہ حضرت! کچھ دیر خطاب فرمائیں۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ مجبور کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''بھائی بس میں دو تین باتیں آپ سے کہتا ہوں۔'' فرمایا کہ: ''ایک بات تو میں یہ سمجھتا تھا کہ میں نے رشیا میں کمیونزم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس انقلاب کو بھی دیکھا ہے تو میرا خیال یہ تھا کہ کم سے کم یہ کمیونسٹ تحریک، ہندوستان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہاں مذہبی لوگ ہیں۔ جہاں مذہب ہوگا، وہاں کمیونزم کامیاب نہیں ہوگا۔ مذہب کوئی بھی ہو، مذہب اس کے لیے سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔'' حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''لیکن آج مولوی صاحبان! تمہارے لباس دیکھنے کے بعد کہ یہ تمہاری قیمتی قراقلی ٹوپیاں، یہ دو دو تین تین ہزار روپے کی شیروانیاں، تمہارے یہ چمکتے ہوئے لباس دیکھنے کے بعد اب میں یہ کہتا ہوں کہ: یقیناً اس ملک میں بھی کمیونزم آئے گا۔ اور ایک وقت آئے گا کہ جب عام لوگوں کے ہاتھ تمہارے گریباں پر ہوں گے۔ کہ ایک غریب آدمی کو روٹی نہیں ملتی ہے اور علاقے کا مولوی جو ہے، وہ دو دو ہزار کی صرف ٹوپیاں پہنتا ہے۔ تو پھر اس غریب کو کیوں حق نہیں ہے کہ وہ تمہاری یہ ٹوپیاں چھین لے۔ وہ تمہارے گلے سے یہ کپڑے چھین لے اور انھیں اُتار ڈالے۔''

حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''میں ایک تو تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے اعمال کی وجہ سے یہاں کمیونزم آئے گا۔ اور دوسری بات یہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ مہربانی کریں کہ جتنے تم لوگوں نے ''دارالعلوم'' بنانے تھے، وہ بن گئے، اب خدا کے لیے مزید کوئی ''گزران العلوم'' نہ بناؤ۔'' حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''میں ان مدارس کو ''دارالعلوم'' نہیں مانتا، میں ان کو ''گزران العلوم'' سمجھتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے تمام ٹیکسوں سے بچنے کے بعد بڑا صاف ستھرا لوگوں کا مال کھانا ہو تو بہترین حل یہ ہے مدرسہ بنا لے اور اس سے زیادہ ترقی کرنا چاہے تو کسی قبر پر سجادہ بن کر بیٹھ جائے۔ یہ بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔ جس پر کوئی اُنگلی بھی نہیں رکھ سکتا۔'' حضرت نے فرمایا: ''خدا کے لیے اس سے بچو۔''

حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ: ''یقین رکھو علمائے کرام! میں تم سب کو دارالعلوم دیوبند کا مخالف سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر تم دارالعلوم دیوبند کے صحیح وفادار ہوتے تو تمام مدارس میں موقوف علیہ (مشکوٰۃ وغیرہ) تک کتابیں پڑھائی جاتیں اور دورے (دورۂ حدیث شریف) کے لیے ہر طالبِ علم کو دارالعلوم دیوبند بھیجا جاتا۔ تاکہ ہماری اس تحریک سے عشق اور رشتہ قائم اور دائم رہتا۔ اور ہر عالم یہ سمجھتا کہ میں نے دورۂ حدیث، دارالعلوم دیوبند سے کیا ہے۔ اب تم نے اپنے نام روشن کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند سے زیادہ بڑے مدرسے بنا لیے ہیں۔ اب کوئی پاگل ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند جائے گا۔ اس کو کیا بے وقوفی آئی کہ وہ دارالعلوم دیوبند جائے۔ اس کو اب کیا پڑی ہوئی ہے کہ وہ سہارن پور جائے یا مراد آباد میں جائے اور شاہی مدرسے میں جا کر پڑھے کہ میں ان اکابرین کی یاد کو تازہ کروں۔''

جاری ہے...

Monthly RAHIMIA Lahore LRL 466 CPL No. 59

خوش خبری......

لاہور میں روحانی تربیتی اجتماع

رمضان المبارک 1433ھ/2012ء

رحمتوں اور برکتوں والا ماہِ رمضان المبارک 1433ھ/ 2012ء اگلے ماہ سے شروع ہونے والا ہے۔ ہمیشہ سے اکابر اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک میں پوری یکسوئی اور توجہ الی اللہ کے لیے کسی ایک ہی جگہ قیام فرما ہوتے ہیں۔ اس لیے حضراتِ مشائخ رائے پور رمضان المبارک کے قیمتی اوقات میں روحانی تربیت کے حوالے سے ذکر وفکر، تزکیۂ عمل اور تصفیۂ باطن کا نہایت اہتمام کرتے رہے ہیں اور اس ماہِ مبارک کو صفائے باطن کے لیے بڑا اکسیر سمجھتے ہیں۔ چناں چہ مشائخ رائے پور اور ان سے تعلق رکھنے والے احباب کا گزشتہ تقریباً ایک صدی سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک میں اِنابت الی اللہ اور سالکین وطالبین کی تربیت کے لیے اجتماعی طور پر کسی ایک جگہ قیام فرما ہوتے ہیں۔

اس معمول کے مطابق اس سال 1433ھ/2012ء میں

موجودہ مسند نشین خانقاہِ رائے پور

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدفیوضہم

پورا ماہِ رمضان المبارک 1433ھ

(21 جولائی 2012ء تا 19/اگست 2012ء)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں قیام فرما ہوں گے۔

تمام احباب سے گزارش ہے کہ اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی کی فکر کریں۔ اور اس ماہِ مبارک میں اپنی دیگر مصروفیات ملتوی فرما کر شیخِ رائے پور حضرت اقدس مدظلہ العالی کی معیت میں کچھ وقت لگائیں۔ اور اس روحانی اجتماع کے تربیتی معمولات اور مجالس ہائے علم وعرفان میں شرکت فرما کر دنیوی اور اُخروی کامیابی کے لیے کوشش کریں۔

ملک بھر سے آنے والے احباب اپنی آمد کے شیڈول سے ادارہ رحیمیہ کی انتظامیہ کو قبل از وقت مطلع فرمائیں۔ تاکہ انتظامات میں سہولت ہو۔ ملک بھر میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) کے ریجنل کیمپسز قائم ہیں۔ کراچی، سکھر، ملتان اور راولپنڈی میں قائم ان تمام کیمپسز کے ذمہ دار حضرات سے بھی اس سلسلے میں رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام مراکز کے ذمہ دار حضرات آنے والے احباب کی فہرست سے مرکزی کیمپس لاہور کو ضروری آگاہ کریں۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): نماز کے آخری قعدہ میں امام صاحب نے سلام پھیر دیا۔ جب کہ مقتدی ابھی تشہد پڑھ رہا تھا۔ تو کیا ایسا مقتدی، امام کے ساتھ سلام پھیر دے یا تشہد مکمل کر کے درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے؟
محمد رفیق، قصور

جواب: مقتدی دیگر افعالِ نماز کی طرح سلام بھی امام کے ساتھ پھیرے، البتہ اگر تشہد کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو اس کو پورا کرے۔

سوال (2): زید نے عمر سے اُدھار مال خریدا، فریقین کے مابین یہ طے پایا کہ اس مال کی کل قیمت دس ہزار روپے ہے اور یہ قیمت ایک ماہ میں ادا کی جائے گی۔ اور اگر ایک ماہ کے اندر یہ قیمت ادا نہ کی گئی تو مبلغ پانچ صد روپے مزید ادا کرنے ہوں گے۔ اور ایسے ہی جتنے ماہ تاخیر ہوتی جائے گی، ہر ماہ پانچ صد روپے کے حساب سے، اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ کیا شرعاً یہ کاروبار جائز ہے؟

جواب: تجارت میں اس طرح طے کرنا کہ وقتِ مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں مقررہ اضافہ بھی ادا کرنا ہوگا، درست نہیں ہے۔ اس کی حرمت پر فقہا کا اتفاق ہے۔ اور دین اسلام سے قبل عرب میں سود کی یہی صورت زیادہ مروج تھی۔

سوال (3): ایک شخص مسمی خلیل احمد فوت ہوا، درجِ ذیل ورثا اس کی وفات کے وقت موجود تھے: ایک بیوہ، دو بیٹیاں، دو حقیقی بہنیں، باپ شریک چار بھائی اور ایک بہن ہیں۔ متوفی کی والدہ اور ان باپ شریک بھائیوں اور بہن کی والدہ الگ الگ ہیں۔ متوفی کی جائیداد شریعت کی رُو سے کیسے تقسیم ہوگی؟
راؤ حفیظ الرحمٰن، چیچہ وطنی

جواب: میت کے مال میں سے اس کی تجہیز وتکفین کے اخراجات کے بعد اس پر موجود قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔ اور اگر کوئی وصیت ہے تو اس کے تہائی مال میں وصیت جاری کرنے کے بعد متوفی زید کی کل جائیداد کے 48 حصص ہوں گے۔ بیوہ کو 6 اور ہر ایک بیٹی کو 16، 16 اور دونوں حقیقی بہنوں میں سے ہر ایک کو 5، 5 حصے ملیں گے۔ جب کہ باپ شریک بھائیوں اور بہن کو شرعی طور پر زید کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

سوال (4): طاہر کے محلے میں کچھ غیر مسلم انتہائی غربت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا ان غیر مسلم لوگوں کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے؟
طاہر عباسی، مری

جواب: غیر مسلم غریب آدمی کی امداد صدقے کی مَد میں سے کی جائے گی۔ زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ کے مصارف پر ہی خرچ کیا جائے۔ غیر مسلم زکوٰۃ کے مصارف میں داخل نہیں ہے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کردیا جاتا ہے۔
ممبر شپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔